اسلامی معیشت میں
سادگی اور کفایت شعاری کی اہمیت (۴)

—— از قلم: ڈاکٹر امین اللہ وثیر ——

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر کرتے ہیں:

وہ لوگ قابلِ عتاب ہیں جو اللہ کی حلال کی ہوئی عمدہ پوشاک یا پاکیزہ اور لذیذ خوراک کو حرام سمجھیں، وسعت ہوتے ہوئے پھٹے حالوں گندہ پراگندہ رہنا نہ کوئی اسلام کی تعلیم ہے نہ کوئی اسلام میں پسندیدہ چیز ہے جیسا کہ بہت سے جاہل خیال کرتے ہیں۔

سلف صالحین اور آئمہ اسلام میں بہت سے اکابر جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت عطا فرمائی تھی اکثر عمدہ اور بیش قیمت لباس استعمال فرماتے تھے۔ خواجہ دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب وسعت ہوئی عمدہ لباس زیب تن فرمایا ہے (اس کے بعد امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے واقعات لکھے ہیں) وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی نعمت اور وسعت عطا فرما دیں تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے لباس وغیرہ میں دیکھا جائے اس لیے کہ اظہار نعمت بھی ایک قسم کا شکر ہے، اس کے بالمقابل وسعت ہوتے ہوئے پھٹے پرانے یا میلے کچیلے کپڑے استعمال کرنا ناشکری ہے۔ ہاں ضروری بات یہ ہے کہ دو چیزوں سے بچے، ایک ریا و نمود، دوسرے فخر و غرور۔ اور ظاہر ہے کہ سلف صالحین ان دونوں سے بری تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین میں حضرت فاروق اعظمؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ سے جو عام حالات میں معمولی قسم کا لباس یا پیوند زدہ کپڑے استعمال کرنا منقول ہے اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ اکثر جو مال آتا وہ فقراء و مساکین اور دینی کاموں میں خرچ کر ڈالتے تھے اپنے لیے باقی ہی نہ رہتا تھا جس سے عمدہ لباس آسکے۔ دوسرے یہ کہ آپ مقتدائے خلائق تھے، اس سادہ اور

سستی پوشاک کے رکھنے سے دوسرے افراد کو تلقین کرنا تھا تاکہ عام غرباء و فقراء پر ان کی مالی حیثیت کا رعب نہ پڑے۔ اسی طرح صوفیائے کرام جو مبتدیوں کو لباسِ زینت اور عمدہ کھانوں سے روکتے ہیں اس کا منشاء بھی یہ نہیں کہ ان چیزوں کو دائمی طور پر ترک کرنا کوئی کارِ ثواب ہے بلکہ نفس کی خواہشات پر قابو پانے کے لیے ابتدائے سلوک میں ایسے مجاہدے بطور علاج و دوا کر دیئے جاتے ہیں۔

صوفیائے کرام عام سلف صالحین کی طرح عمدہ لباس اور لذیذ کھانوں کو استعمال کرتے ہیں اور اس وقت یہ طیباتِ رزق ان کے لیے معرفتِ خداوندی اور درجاتِ قرب میں رکاوٹ کے بجائے اضافہ اور تقرب کا ذریعہ بنتے ہیں۔

اسلام نے خودداری کی بھی تعلیم دی ہے۔ خودداری عین شرافت ہے۔ جس میں خودداری نہیں لوگوں میں اس کا وقار نہیں ہوتا۔ اسلام میں صاف ستھرا رہنے کا جو حکم ہے طہارت اور پاکیزگی کے علاوہ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مسلمان دوسروں کی نظروں سے گرنے نہ پائے۔ ایک بار ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں نہایت کم حیثیت کپڑے پہن کر آیا۔ آپؐ نے فرمایا:

"تمہارے پاس کچھ مال ہے؟" اس نے کہا: "اونٹ، بکری، گھوڑے، غلام سب کچھ ہیں"۔ ارشاد ہوا کہ "جب خدا نے تم کو مال دیا ہے تو اس کے فضل و احسان کا اثر تمہارے جسم سے بھی ظاہر ہونا چاہیے۔"

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔" اس پر ایک شخص نے کہا: "مجھے اچھا کپڑا اور اچھا جوتا بہت پسند ہے۔" (یعنی یہ تو غرور میں داخل نہیں؟) ارشاد ہوا کہ "خدا تو خود ہی جمال کو پسند کرتا ہے۔ غرور یہ ہے کہ حق کا انکار کیا جائے اور لوگوں کی تحقیر کی جائے۔"

اسلام کے آئینِ اخلاق میں استغنا اور بے نیازی کی تعلیم دو اصولوں پر قائم ہے۔ اوّل یہ کہ جو کچھ ملتا ہے اس کا دینے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے اس لیے اس کے سوا کسی اور کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا جائے۔ "اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" اور "اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا" (بنی اسرائیل) میں اسی اصول کی تلقین کی گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

دوسرا اصول جس پر اسلامی استغناء کی بنیاد ہے وہ قناعت ہے یعنی یہ کہ کم سے کم جو ملا ہے اس پر طمانیت حاصل کی جائے اور زیادہ کی حرص اور لالچ نہ کیا جائے۔ اس تعلیم پر عمل کرنے سے طبیعت میں قناعت پیدا ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: "حرص و طمع سے بچو کہ اس نے تم سے پہلوں کو برباد کیا اسی نے ان کو آمادہ کیا کہ انہوں نے خون بہایا اور حرام کو حلال سمجھا" (مسلم) آپ نے یہ بھی فرمایا: "ایمان اور حرص ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے" (ترمذی)۔ نیز فرمایا: "دو بھیڑیے جو بکریوں کے جھنڈ میں چھوڑ دیے جائیں وہ ان کو اتنا برباد نہیں کرتے جتنی مال اور جاہ کی حرص انسان کے دین و ایمان کو برباد کر دیتی ہے" (نسائی)۔ بہرحال استغناء اور بے نیازی کا تعلق دولت کی کمی اور بیشی سے نہیں بلکہ روح اور قلب سے ہے اور اس نکتے کو رسول اللہؐ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ۔ (دولت مندی مال و اسباب کی کثرت کا نام نہیں بلکہ اصل دولت مندی دل کی بے نیازی ہے) (بخاری)

شیخ سعدیؒ نے بھی کہا تھا: "توانگری بدل است نہ بہ مال"

ایک اور حدیث میں اس نکتے کو آپ نے اور بھی زیادہ واضح طور پر بیان فرمایا۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہؐ نے فرمایا: "ابوذر! تمہارے خیال میں مال کی کثرت کا نام بے نیازی ہے"؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا: "بے نیازی دل کی بے نیازی ہے اور محتاجی دل کی محتاجی" (فتح الباری)

اس بناء پر بے نیازی درحقیقت تسلیم و رضا سے پیدا ہوتی ہے، مال و دولت سے پیدا نہیں ہوتی۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہی تعلیم دی تھی اور ان سے فرمایا کہ جو کچھ تمہاری قسمت میں ہے اگر تم اس پر راضی ہو جاؤ تو تم سب سے زیادہ بے نیاز ہو جاؤ گے۔
(ابوداؤد)

زندگی میں انسان کو بہت سی چیزوں کے حصول پر مسرت حاصل ہوتی ہے، مال و دولت، علم و فضل، عہدہ و منصب، شادی بیاہ، عید اور تہوار غرض انسان کو اپنی زندگی میں اظہار مسرت کے سینکڑوں مواقع پیش آتے ہیں، لیکن یہ مسرت بھی اگر حدِ اعتدال سے بڑھ جائے تو اس میں فخر و غرور شامل ہو جاتا ہے۔

l.com

اسلام نے چونکہ تمام جذبات میں اعتدال پیدا کرنا چاہا ہے، اس لیے اس نے اس قسم کے (حد سے بڑھے ہوئے) اظہارِ مسرت کو انسان کی اخلاقی کمزوری قرار دیا ہے اور ان سے بچنے کی تلقین کی ہے اور اس کی ممانعت کی ہے :

" وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا اٰتٰكُمْ ، وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ "

(الحدید)

قرآن مجید بتاتا ہے کہ زر پرستی، دولتِ دنیا کی حرص و ہوس، اور خوشحالی پر فخر و غرور انسان کی گمراہی اور بالآخر اس کی تباہی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے :

" اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ "

(تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی فکر نے مستغرق کر رکھا ہے، قبر میں جانے تک تم اسی فکر میں منہمک رہتے ہو (یہ ہرگز تمہارے لیے نافع نہیں) جلد ہی تم کو اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔) (التکاثر)

" وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ "

(القصص : ۵۸)

(کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جو اپنی معیشت پر اترا گئیں اب دیکھ لو ان کے گھروں کو، کم ہی کوئی ان کے بعد ان گھروں میں بسا ہے، اور ہم ہی ان کے وارث ہوئے۔)

" وَمَا اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۔ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ "

(السبا : ۳۴ - ۳۵)

(ہم نے جس بستی میں بھی کوئی متنبّہ کرنے والا بھیجا اس کے دولت مند لوگوں نے اس سے کہا کہ جو پیغامِ رسالت تم لے کر آئے ہو ہم اس کے منکر ہیں اور انہوں نے کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال و اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز عذاب پانے والے نہیں ہیں!)

© rasailojaraid.com

درحقیقت ہمارا مسئلہ بھی اس وقت یہی ہے کہ ہم بحیثیت قوم "نمائش" کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ دولت کے بل بوتے پر ایسی ایسی حرکتوں کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے کہ دیکھ دیکھ کر دل لوٹ کر منہ کو آتا ہے اور حیرانی ہوتی ہے کہ ۳۰ سال کی مختصر مدت میں ہماری قوم اور ہمارا معاشرہ کیا سے کیا بن گیا ہے۔

جب معاشرے میں عدم توازن، امارت و غربت کی نامناسب تقسیم ہو، دولت مندوں کی جانب سے مختلف تقریبات میں اسراف اور فضول خرچی عام ہو اور سرمائے کے مظاہرے اور ضیاع کی وبا پھیل رہی ہو تو غریب اور محروم وسائل طبقے میں سخت احساس محرومی پیدا ہوتا ہے اور یہی خرابی کی اصل جڑ ہے۔ اسی طرز عمل سے "محروم افراد" کے دل میں ہر جائز و ناجائز طریقے سے مال اکٹھا کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے۔ قوم اور ملک کو اس عذاب سے نکالنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ایک تو اسراف اور فضول خرچی سے دامن کش ہو کر سادگی اور کفایت شعاری کی راہ اختیار کی جائے اور دولت و سرمائے کے بے جا مظاہرے پر سختی کے ساتھ پابندی عائد کر دی جائے۔ دوسرے استغنا، بے نیازی، خودداری، قناعت پسندی اور کفایت شعاری جیسے اعلیٰ اخلاقی فضائل و اوصاف سے خود کو متصف کیا جائے۔

معاش کے سلسلے میں عوام کی پریشانیوں کا اہم سبب مسرفانہ غیر اسلامی معاشرت ہے جو ہم نے خواہ مخواہ اپنے اوپر مسلط کر رکھی ہے۔ اگر ہم واقعتاً ایک اسلامی فلاحی معاشرہ قائم کرنے کے خواہاں ہیں تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ رہن سہن کے پرتکلف، عیش پرستانہ اور مہنگے طریقے یکسر ترک کر دیے جائیں جو ہم نے درآمد کئے ہوئے ہیں، اور جن کی وجہ سے ہم بالعموم اقتصادی بدحالی کا شکار ہو رہے ہیں، اس وقت ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم اپنی وضع قطع، اپنے طرز رہائش، اپنی تقریبات غرض معاشرت کے ہر شعبے میں غیروں کی اندھی تقلید کر رہے ہیں اور اس احمقانہ تقلید کو تہذیب کی علامت سمجھے ہوئے ہیں۔ اور پھر اس معاملے میں ہر شخص دوسرے سے آگے نکل جانے کی فکر میں ہے، اور اس غرض کے لیے جب محدود آمدنی کافی نہیں ہوتی تو رشوت، چوربازاری، اسمگلنگ اور دوسرے ناجائز طریقوں سے کام لیتا ہے۔

اس صورتحال کو بدلنے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے بااثر اور باحیثیت افراد سادہ طرز معیشت اختیار کرنے کی ملک گیر تحریک چلائیں اور اس کی ابتدا اپنے آپ سے کریں۔ جب تک ہمارے اعلیٰ طبقے کے دولت مند افراد اور رہنما اپنی نشست و برخاست، اپنی تقریبات، اپنے طرز رہائش اور اپنی عام زندگی میں سادگی کو نہیں اپنائیں گے عوام تکلفات کی اس مصنوعی زندگی سے نجات نہیں پاسکیں گے جو ان کی معاشی بدحالی کا بڑا سبب ہے اور جس کا نتیجہ پاکستان جیسے غریب ملک کے لیے معاشی تباہی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا ضروری ہے کہ سامان تعیش کی درآمد بالکل بند کر دی جائے اور تمام اشیائے صرف میں ملک کی اپنی پیداوار کو فروغ دیا جائے۔ جو اشیائے صرف ایسی ہیں کہ وہ پاکستان میں متوسط یا اعلیٰ معیار کی پیدا ہونے لگی ہیں ان کی درآمد پر مکمل پابندی عائد کر دی جائے اس طرح ملک میں سادگی کو فروغ دینے میں بھی مدد ملے گی اور زرمبادلہ میں بھی کفایت ہو گی۔ شادی بیاہ اور تقریبات وغیرہ پر اخراجات کی ایک مناسب حد مقرر کر دی جائے جس سے زائد خرچ کرنا قانوناً جرم ہو۔ متعلقہ قانون کو موثر طور پر نافذ کیا جائے۔ اگر ہمیں اپنے مسائل کو حقیقت پسندی کے ساتھ حل کرنا ہے تو کچھ جرأت مندانہ اقدامات کرنے ہوں گے جس قوم کی آبادی کا بیشتر حصہ فقر و افلاس کا شکار، تعلیم و تربیت سے محروم اور فن و تکنیک میں پسماندہ ہو، اس کے لیے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا کروڑوں روپیہ لہو و لعب کے ایسے مظاہروں پر صرف کر دے جو صحت، اخلاق اور ذہنی پاکیزگی کے لیے سم قاتل ثابت ہو رہے ہیں۔ اسلام صحت مند تفریح کو بہ نظر استحسان دیکھتا ہے۔ لہٰذا صحت، اخلاق اور پیسے کی بربادی کے مواقع سے بچ کر ایسی مفید اور صحت مند تفریح کو فروغ دیا جانا چاہیے جو ہمارے لیے مفید ہو یا کم از کم ضرر رساں نہ ہو۔

سادگی اور کفایت شعاری کے بہت سے فائدے ہیں، ایسا شخص ہر قسم کے فکر سے آزاد ہوتا ہے، اس کے ذہن پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ہوتا، قرض لینے کی مصیبت سے بچا رہتا ہے، حرص و ہوس کی لعنت سے محفوظ رہتا ہے، دریوزہ گری سے بچتا ہے اور لوگوں کی نظروں میں عزت و احترام پاتا ہے۔ آج ہزارہا پریشانیوں کا بنیادی سبب سادگی سے گریز ہے۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid.c

معیارِ زندگی بلند کرنے کی مسابقت اور دوڑ نے زندگی کا چین اور دلوں کا سکون چھین لیا ہے' غیر ملکی سامان تعیّش کی درآمدات کے باعث کروڑوں روپے کا وہ زرمبادلہ بیکار ضائع ہو رہا ہے جو قومی تعمیر و ترقی میں خرچ ہونا چاہیے تھا۔ تکلفات زندگی کے باعث خوشحالی و فارغ البالی حاصل ہونے کی بجائے معاشرہ بے چینی، پریشانی اور بے سکونی کا شکار ہو رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے " نُهِيْنَا عَنِ التَّكَلُّفِ (ہمیں تکلفات سے روکا گیا ہے)" غور فرمائیں اگر ہم سب اس حکیمانہ نصیحت پر عمل کرتے ہوئے سادگی کو اپنالیں، تکلّفات سے اجتناب کریں، نمود و نمائش سے پاک زندگی بسر کرنا اپنا شعار بنالیں، جو میسّر ہے اس پر قناعت کریں، جس قدر صلاحیت ہے اس کے مطابق دولت کو عطیۂ خداوندی سمجھیں، دوسروں کی دیکھا دیکھی، نفس پرستی کی بنا پر تصنّع اور بناوٹ اور عیش و عشرت کو مقصدِ زندگی نہ بنالیں۔ معاشرے کو مادّی مسابقت کی ضرورت ہی نہیں رہے گی اور پھر دنیا بھر کی طرف مالی امداد اور قرضوں کے حصول کے لیے ہماری نگاہ کیوں اٹھے گی۔

اسلام کے قائم کردہ معاشرے میں جیساکہ اوپر بتایا جاچکا ہے، اِسراف و تبذیر اور فضول خرچی کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہٰذا اللہ کے دئیے ہوئے مال و دولت کو نمود و نمائش میں ضائع کرنا غیر مناسب اور غیر مفید بات ہے۔ اس طرح قومی سرمایہ بہت بُری طرح برباد ہوکر رہ جاتا ہے۔ اور اس بے محابا صرفِ دولت سے معاشرے کو اجتماعی طور پر کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور معیشت میں سادگی اور کفایت شعاری کا حکم دیتا ہے، اور یہ پسند نہیں کرتا کہ مسلمان معاشرے میں لوگ ایک دوسرے پر بوجھ بنیں۔ بلکہ اس بارے میں اسلامی تعلیم کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى (حدیث نبویؐ) یعنی اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

اسلام تو اپنے انتہائی اعلٰے پایہ کے معاشی نظام کے ذریعے سے ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ جس میں زکوٰۃ دینے والے تو بہت ہوں لیکن لینے والا کوئی نہ رہے۔ اور اس کا مشاہدہ خلافتِ راشدہ کے دور میں دنیا کر چکی ہے۔

اسلام میں قرض لینے کو بھی پسند نہیں کیا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقروض

l.com

کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپؐ کے پاس ایک جنازہ لایا گیا۔ حضورؐ نے پوچھا: "کیا اس پر کسی کا قرض ہے؟" صحابہ کرامؓ عرض گذار ہوئے کہ دو دینار ہیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم خود ہی اس پر نماز پڑھ لو۔ تو ابو قتادہؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہ! اس پر نماز پڑھیے ... اس کا قرضہ میرے ذمے ہے"۔ چنانچہ آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ (حضرت جابرؓ: احمد، ابوداؤد، نسائی)

بعض حکمائے اسلام کا کہنا ہے کہ: "اَلذُّلُّ ذُلُّ الدَّیْنِ وَالْوَجْعُ وَجْعُ الْعَیْنِ"۔ یعنی اصل ذلت قرض کی ذلت ہے اور اصل درد آنکھ کا درد ہے۔

اس حقیقت سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی طور پر قرض لینے کو ناپسندیدہ فرمایا تو اجتماعی طور پر مسلمان قوم کے لیے دوسروں کا دستِ نگر ہونا اور خواہ مخواہ کے لیے قرض کے بوجھ تلے دبتے چلے جانا کس قدر ناپسندیدہ امر ہے ـــــ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں کے سہارے بسر اوقات کرنا انسانی مجد و شرف، اور ملّی وقار و خودداری کے تقاضوں کے سخت منافی ہے۔ اس سے قوموں کی برادری میں عزت و وقار قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لیے لازم ہے کہ ہم ضروریاتِ زندگی کو جائز حدود سے آگے نہ بڑھنے دیں۔ کفایت شعاری اور قناعت پسندی کو اپنا شعار بنائیں تاکہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

"اپنی ضرورتوں کو کم کرو گے تو راحت پاؤ گے"

اس وقت ہماری معاشرتی زندگی کو سبوتاژ کرنے والے بیشمار محرّکات کام کر رہے ہیں اور ان کا حملہ شدید ہوتا جا رہا ہے۔ اب یہ سوچنا اور فیصلہ کرنا قوم کے دانش ور طبقے کا کام ہے کہ ہمارا مستقبل کیا ہوگا اور ہم کس انجام سے دوچار ہونے والے ہیں؟ لہٰذا آئیے غور کریں کہ:

جب ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم خارجی قرضوں کے بوجھ تلے پس رہے ہیں اور قرض لینا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ناپسندیدہ امر ہے۔

جب ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہر پاکستانی کو ۱۶۰ روپے ماہانہ مغربی ملکوں کو سود کی مد میں

© rasailojaraid

ادا کرنے پڑ رہے ہیں۔

جب ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ صرف پچھلے تین سال میں ہماری درآمدات ، ہماری برآمدات سے تقریباً ایک سو ساٹھ ارب روپے زیادہ رہی ہیں۔

جب ملک میں ۱۷ لاکھ سے زائد فحش ویڈیو فلمیں درآمد کی جا چکی ہیں۔

جب ہماری خواتین دو کروڑ روپے سالانہ سے زائد بیوٹی پارلر کی نذر کر رہی ہیں۔

جب لباس اور چائے اور بسکٹ تک کے لیے ہم دوسروں کے محتاج ہو رہے ہیں۔

جب ہم یہ گلہ کرتے ہیں کہ سمگلنگ کی دبا روز افزوں ترقی پر ہے۔

جب ہمیں یہ شکایت ہے کہ شہروں میں باڑہ مارکیٹوں کا سیلاب آ رہا ہے۔

اور جب ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کوئی عوامی ادارہ ایسا موجود نہیں جو ان برائیوں کے سدِّباب پر پوری توجہ دے سکے۔

تو کیوں نہ ہم خود ہی انفرادی طور پر ان قومی مشکلات کے حل اور ان مصائب کے سدِّباب کے لیے سوچ بچار کریں اور اعلان کریں کہ

ہم آج سے عہد کرتے ہیں کہ اشیائے ضرورت کی خریداری میں اپنے ملک کی مصنوعات اور ملبوسات کو ترجیح دیں گے اور ان کا استعمال عام کریں گے۔

خارجی مصنوعات اور مواد کو اپنی معیشت میں حتی الامکان کم سے کم دخل اندازی کا موقع دیں گے۔

سمگلنگ کی اشیاء یا باڑہ مارکیٹ سے خارجی مصنوعات خریدنا ایک اخلاقی عیب سمجھیں گے۔

زندگی کے ہر شعبے میں نفاست اور سادگی کے ساتھ ساتھ کفایت شعاری اختیار کریں گے۔

اور اپنے معاشرے کی بے حسی اور اخلاقی و معاشی بے راہ روی کی بجائے ذمّہ دارانہ طرزِ عمل ، اعلیٰ اخلاق اور ملک و ملت کی عام خوشحالی کو اپنا مقصدِ زندگی بنائیں گے۔

تاکہ ہماری حیاتِ ملی مستحکم اور پائیدار بنیادوں پر استوار ہو سکے۔ ہم غیروں کے دستِ نگر

(باقی صفحہ ۵۶ پر)